زاہد مجید امجد
پی ایچ ڈی اسکالر
شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد

میمونہ سبحانی
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد

انور مسعود کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں سماجی و تہذیبی شعور

ABSTRACT

Social and cultural acuity in satirical and humorous poetry of Anwar Masood

By Zahid Majeed Amjad, PhD Scholar, Department of Urdu, Govt College University, Faisalabad.

Maimoona Subhani, Assistant Professor, Department of Urdu, Govt College University, Faisalabad.

In Urdu poetry, Anwar Masood's name is a symbol of excellence and quality, especially in the form of that poetry which contains elements of humor, satire and irony. Humor in life is like a salt in flour. His poetry reflects civilization and the snags of society. Qatah Nigari (Stanza writing) is his specialty and of great importance. Anwar Masood is a great humorist and a comic poet whose style is unique. He has written spontaneous parodies. Elements of sarcasm and mirth reflected social issues, making him an imposing and unprecedented figure of all times. This article explains the unique style of Anwar Masood.

طنز و مزاح کا عمل دخل ہماری زندگی میں بالکل نمک کی طرح ہے۔ کھانے میں، پینے میں، جسم میں ہر جگہ نمک کا عنصر شامل ہے۔ کڑواہٹ ہے، تلخی ہے۔ لیکن زندگی کی ضرورت ہے۔ اس کو چکھے بغیر زندگی تو گزر سکتی ہے لیکن بیمار کی طرح۔ طنز و ظرافت کی نشتریت کے پیچھے فنکار کی انسانی ہمدردی اور اعلیٰ درجہ کی انسانی دوستی کارفرما ہوتی ہے۔ طنز نگار ایک ایسا طبیب ہے جو ہر درد کا علاج نشتر سے کرتا ہے۔ چبھن تو ہو گی لیکن اس کے پیچھے مریض کی مکمل شفا مقصود ہے۔ بقول شخصے اپنے دور کا بہترین انسان وہ ہوتا ہے جس نے ہر حال میں ہنسنا سیکھ لیا۔ اس نے زندگی کا سب سے بڑا فن سیکھ لیا۔

اسی تناظر میں انور مسعود کا نام مزاح نگاری کے آسمان پر چاند کی طرح چمکتا دکھائی دیتا ہے۔انور مسعود ایک فرد کا نام نہیں، ایک فنکار کا نام ہے۔ ایسا فنکار جو لفظوں کو پھول، پھولوں کو گلدستہ کی شکل دے کر دل کے گُل دان میں سجا کر حیاتِ انسانی کو درد وکرب کے باوجود ایک خوش گوار لطافت کا احساس دلاتا ہے۔انور مسعود کی شاعری ایک قوس قزح کا نام ہے، جس کی دھنک سوئے ہوئے ذہنوں کو بیدار کر دیتی ہے۔ بھٹکے ہوئے ذہنوں کو تحریک دیتی ہے۔ یہ وہ فنکار ہے جس نے خنجر چلانے کے بعد سر سلامت رکھا۔

محمد انور مسعود ۸۔نومبر ۱۹۳۵ کو پیدا ہوئے۔ جمعہ کے مقدس دن کا آغاز ہو چکا تھا، جب رات پونے ایک بجے عالمِ بالا سے عالم زیریں کی طرف گجرات میں تشریف لائے۔انور مسعود کا ایک شعر ہے:

انور کی سر بزمِ سخن آئی ہے باری
کیا جانیے یہ شخص ہنسا دے کہ رُلا دے

> انور مسعود کا کہنا ہے کہ میری ہنسی مکئی کے دانے کی طرح ہے، جب جلنے لگتی ہے تو مسکرانے لگتی ہے۔ میرے قہقہے نچوڑے جائیں تو ان سے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔ میرا حال بادل کا سا ہے جب اس میں بجلی چمک جائے تو مسکراتا ہوا لگتا ہے، اور برسنے لگتا ہے تو روتا ہوا لگتا ہے۔(۱)

انور مسعود کا مزاج ویسے بچپن سے ظریفانہ اور شاعرانہ تھا۔ بزلہ سنجی، حاضر جوابی، نکتہ طرازی اور مزاح ان کی طبیعت کا خاص جزو تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سنجیدہ شعری مجموعے کے مقابلے میں ان کے طنزیہ ومزاحیہ شاعری کے مجموعوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ان میں ”روز بروز“، ”در پیش“، ”قطعہ کلامی“ اور ”غنچہ پھر لگا کھلنے“ ان کی اردو شاعری کے مشہور اور بہترین مجموعے ہیں۔انھوں نے معاشرے کی تہذیبی، سیاسی اور معاشرتی تبدیلیوں کو طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں پیش کرتے ہوئے مزاح نگاری کی ہے اور اس میں اصلاح کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے شاعری کی ہے۔مشتاق احمد یوسفی (۱۹۲۳ء۔۲۰۱۸ء) لکھتے ہیں:

> ان کا مطالعہ وسیع اور مشاہدہ گہرا ہے، ان کی نگاہ سے حالات حاضرہ کا کوئی مضحک پہلو نہیں بچتا۔ ان کا شائستہ مزاح، ان کے تبحر علمی، تازہ کاری اور رعایت لفظی پر حیرت انگیز قدرت سے عبارت ہے۔تحریف، تضمین اور پیروڈی اس برجستگی سے کرتے ہیں کہ اصل کو اپنا ہی کرشمہ کلام بنا کر دکھاتے ہیں۔ انھوں نے طنز و ایجاز کے جو گل کھلائے ہیں وہ ان کی فنکارانہ مہارت کا اعجاز ہے۔(۲)

خوش وخرم دکھائی دینے والے اس عبقری کا دل قوم و ملک کے درد سے ٹوٹ جاتا ہے۔ایسا شخص اپنے ماحول میں پائی جانے والی ناہمواریوں سے نفرت کرتے ہوئے ان کو سر عام عریاں کر کے لوگوں کو ان کی اپنی تصویر دکھاتا ہے۔جن پر

لوگ پہلے ہنستے ہیں اور پھر پشیمان ہو کر اپنے گریبانوں میں جھانکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ بقول فرمان فتح پوری (۱۹۲۶ء۔ ۲۰۱۳ء):

> سماجی ناہمواریوں اور ناانصافیوں کو طنز ومزاح کا ہدف بنانا ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہدف بنانے والوں کی نظر میں یہ چیزیں ناپسندیدہ ہیں۔ ان سے اسے تکلیف پہنچتی ہے، وہ انھیں دیکھ دیکھ کر کڑھتا ہے۔ ان سے نفرت کرتا ہے اور جو لوگ ناہمواریوں اور ناانصافیوں کا شکار ہیں ان سے ہمدردی رکھتا ہے۔ ان کے دکھ کا مداوا کرنا چاہتا ہے، لیکن جب عملاً ایسا نہیں کر پاتا تو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کبھی ان چیزوں کا مذاق اُڑاتا ہے، کبھی ہجو ملیح کا نشانہ بناتا ہے، اور کبھی طنز ومزاح کے نشتر توڑتا ہے کہ اس کی نگاہ میں سماجی ناہمواریوں سے نپٹنے کی یہ بھی ایک کارگر صورت ہے۔(۳)

انور مسعود کی غزلوں میں طنز کی چبھن کو مزاح کی نرمی ڈھانپے ہوئے ہے:

شیرینیِ مزاح میں اس کو لپیٹ کر
انور نے طنز کو بھی گوارا بنا دیا(۴)

جب انور مسعود مشاعرہ پڑھتے وقت یہ کہتا ہے کہ میں عوامی آدمی ہوں۔ اس لیے پبلک بسوں میں سواری کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ بس میں ایسی ہی بھیڑ میں ایک آدمی اپنے بازو کو کھجلاتا ہے تو دوسرا اس سے کہتا ہے بھائی جی! "بھائی جی اے میری بانہہ جے"۔ انور مسعود کا یہ واقعہ سنانا ایک طرف ہنسی کا باعث ہے دوسری طرف عوام کے اس پورے طبقے کی نمائندگی کرتا ہے جو تمام تر ترقی اور آرام کے خواب دیکھتے ہوئے قبر کی دہلیز تک پہنچ جاتے ہیں۔

گاڑیوں کے یہ دھکے ان سب مسائل کی عکاسی کرتے ہیں جو پیدائش سے ان کا مقدر ہوتے ہیں۔ بات صرف غور کرنے کی ہے کہیں منی بس ہمارا معاشرہ تو نہیں جس میں کچھ لوگ بڑی تمکنت کے ساتھ نشستوں پر براجمان ہیں اور زیادہ تر سروں کو جھکائے دروازوں پر لٹکے اختتام سفر کے منتظر ہیں۔ نشستوں پر گردنیں اکڑائے بیٹھنے والے غنودگی کا شکار ہیں اور ایک پاؤں پر بمشکل کھڑے ہونے والے ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ رہے ہیں اور اس حقیقت سے بے خبر ہیں ہ سب ٹانگیں اور سب بازو اسی ایک طبقے کے ہیں جن کے لیے بیٹھنے والوں میں سے کوئی بھی نشست خالی نہیں کرتا۔ "اے مرے ہم سفر تو میں ہے اور میں تو ہوں" اسی پسے ہوئے محنت کش، مزدور طبقے کی نمائندگی کرتا ہے:

حجابات من و تو اُٹھ گئے ہیں اس وسیلے سے
بڑی وحدت میسر ہے، خدا سے اور کیا مانگیں

منی بس میں مرے اے ہم سفر تو میں ہے، میں تو ہوں
تری ٹانگیں میری ٹانگیں، میری ٹانگیں تیری ٹانگیں(۵)

انور مسعود سماجی اور معاشرتی مسائل کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔ انھوں نے بارہا اپنی شاعری میں ہمارے معاشرے کی کوتاہیوں، غیر ذمہ داریوں اور لوگوں کے جاہلانہ رویوں پر طنز کیا ہے۔ انور مسعود معاشرے کے لوگوں کو خاص طور پر احساس دلاتے ہیں تا کہ ایسے لوگ اسلام، وطن اور معاشرے کو طاقتور بنائیں۔ اس ضمن میں سب سے اہم ذمہ داری ہمارے مذہبی علما، دانشور و مفکرین پر عائد ہوتی ہے۔ مگر ایسے لوگوں کے اعمال پر ذرا نظر کریں:

کوئی ہو جائے مسلمان تو ڈر لگتا ہے
مولوی پھر نہ بنا دے اسے کافر بابا(۶)

انور مسعود کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری زیادہ تر تین شعری اصناف کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ملتی ہے۔ یہ تین اصناف قطعہ، نظم اور غزل ہیں۔ ان تینوں اصناف میں سے سب سے زیادہ شعری سرمایہ موجود ہے وہ قطعہ ہے۔ پروفیسر انور مسعود کے بارے میں سید ضمیر جعفری (۱۹۱۶ء-۱۹۹۹ء) اپنے مخصوص انداز میں لکھتے ہیں:

> پروفیسر انور مسعود اُردو اور پنجابی کے ممتاز شاعر ہیں۔ فارسی زبان پر بھی ان کو حیرت انگیز تخلیقی دسترس ہے۔ آج ہمارے ملک میں شاید چند ہی ایسے شعرا موجود ہوں گے جو فارسی، اردو، پنجابی تینوں زبانوں میں ان کی سی منزلت اور قدرت رکھتے ہیں۔ وہ صرف ایک ممتاز و مشہور شاعر ہی نہیں بے حد مقبول و محبوب شاعر بھی ہیں۔ ملک کا کوئی قابلِ ذکر ادبی میلہ ان کی شرکت کے بغیر اربابِ ذوق کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوتا۔(۷)

انور مسعود کے قطعات کے چوتھے مصرعے میں تضمین و تحریف کی صورت گری کے فنکارانہ نمونے عام ہیں اور اساتذہ کے کلام سے لیا گیا ہے۔ کوئی مشہور اور زبان زدِ عام مصرع تمام قطعے میں ایسی برجستگی و رنگارنگی پیدا کر دیتا ہے کہ پڑھنے والا اور سننے والا تا دیر موضوع اور فن کی گرفت سے نکل نہیں سکتا، مثلاً:

دل کی بیماری کے اک ماہر سے پوچھا میں نے کل
یہ مرض لگتا ہے کیوں کر آدمی کی جان کو
ڈاکٹر صاحب نے فرمایا توقف کے بغیر
''دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو''(۸)

مزاح کے میدان میں انور مسعود کا دوسرا بڑا حوالہ قطعہ نگاری ہے، ''قطعہ کلامی'' (۱۹۹۹ء) جیسا کے نام سے ظاہر ہے پوری کی پوری قطعات پر مشتمل ہے۔ لیکن اردو مزاحیہ کلام کا دوسرا مجموعہ ''غنچہ پھر لگا کھلنے'' بھی اپنے دامن میں قطعات کی

خاصی تعداد لیے ہوئے ہے۔

انور مسعود نے قطعے کی صنف کو مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ قطعہ ہماری روایت کا اٹوٹ انگ رہا ہے۔ وقار انبالوی (۱۸۹۶ء۔ ۱۹۸۸ء)، رئیس امروہی (۱۹۱۴ء ۔ ۱۹۸۸ء) اور اب مظفر وارثی (۱۹۳۳ء ۔۲۰۱۱ء) اور انور شعور نے اخبارات کے ذریعے روزانہ قطعے کے تسلسل کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ رئیس امروہی (۱۹۱۴ء ۔۱۹۸۸ء) کے قطعات ضخیم جلدوں کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں، لیکن کسی لگی لپٹی کے بغیر عرض ہے کہ انور مسعود کے قطعے کا جواب تلاش کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ انور مسعود نے قطع کو وہ فنی تابندگی بخشی ہے کہ ان کے سامنے کسی کا چراغ جلنا محال نظر آتا ہے۔ قطعے کے فن کے بارے میں انور مسعود نے ایک نیا تنقیدی منشور تحریر کیا ہے، لکھتے ہیں:

> قطعہ ایک سانس کی صنف سخن ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ سانس نہ اُکھڑے، اس لیے یہ تکلمی کوشش بڑی ریاضت مانگتی ہے۔(۹)

اس ضمن میں ڈاکٹر خورشید رضوی کی رائے ہے:

> انور مسعود کے قطعہ میں ہماری کلاسیکی فنی روایت کا رچاؤ اور زبان و بیان کی سجاوٹ کا وہ اہتمام ملتا ہے جو اب مفقود ہوتا جا رہا ہے اور طنز کی دھار اس قدر تیز ہوتی ہے کہ جس کے گلے پر پھرتی ہے، اسے بھی مزہ ہی آتا ہے۔(۱۰)

انور مسعود کا خاص انداز یہ ہے کہ ان کا چوتھا مصرع بہت زور دار ہوتا ہے۔ قطعہ کے فنی تقاضے کو جس طرح انور مسعود نے نبھایا ہے کسی بھی شاعر کے ہاں کہیں کہیں اس کی مثال مل جائے تو مل جائے۔ ہر قطعہ حسن انتخاب کہنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اکثر شعرا کے ہاں ایک خلا ملتا ہے اور وہ یہ کہ پہلے تین مصرعوں میں ان کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ جب کہ انور مسعود آخری لمحے تک پتا نہیں چلنے دیتے کہ وہ کیا کہنے جا رہے ہیں۔ کبھی کبھی سامعین کا ذہن کسی اور طرف منتقل ہوتا ہے جب کہ انور مسعود کوئی اور بات کہہ جاتے ہیں، پروفیسر طیب منیر نے اسے:

> سجی دکھا کے کبھی مارنے سے تشبیہ دی ہے۔(۱۱)

خورشید رضوی اپنے مضمون میں جو انھوں نے انور مسعود کے بارے میں لکھا ہے:

> انور اپنے شعر پر بڑی محنت کرتا ہے وہ فن میں One percent inspiration and ninty nine percent perspiration کا قائل ہے مگر اس کی محنت میں کمال یہ ہے کہ محنت نظر نہیں آتی۔ اس کی Finishing ایسی ہے کہ خون پسینہ اس میں یکجان ہوتا ہے۔(۱۲)

مزاح تو انور مسعود کی طبعیت کی خاص خوبی تھی اس کے ساتھ ساتھ وہ حاضر جوابی، فی البدیہہ گوئی میں بھی کمال

رکھتے ہیں۔ انور مسعود مختلف محفلوں میں اپنی زندگی کے مختلف واقعات کے بارے میں فی البدیہہ اشعار لوگوں کو سنا کر محظوظ کرتے۔ ایک تعلیمی مشاعرے کی انور مسعود صدارت کر رہے تھے اس موقع پر انھوں نے کہا:

عزیزو آج کی محفل کا میں صدرِ گرامی ہوں
جہاں بھی بیٹھنا چاہوں گا بن جائے گی تھاں میری
ہمارا کھیت سانجھا ہے مگر تقسیم ہے ایسی
کہ سارے مونگرے تیرے ہیں ساری مولیاں میری (۱۳)

انور مسعود مہذب نوجوانوں پر چوٹ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آج کا نوجوان یورپی اور مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے، اسے مشرقی ثقافت اور تہذیب تمدن سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ اپنے اس قطعہ میں انور مسعود مغربی تہذیب و تمدن پر طنز کرتے ہیں:

لطف نظارہ ہے اے دوست اسی کے دم سے
یہ نہ ہو پاس تو پھر رونقِ دنیا کیا ہے
تیری آنکھیں بھی کہاں تجھ کو دکھائی دیتیں
میری عینک کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے (۱۴)

تحریف نگاری میں انور مسعود کا نہیں اُردو قطعہ نگاری کا نقطۂ عروج بھی ہے:

کل جو ہوا ہے دفعتاً اس سے مرا مکالمہ
خوبی اختصار کا تجربہ کچھ یونیک ہے
میں نے کہا کہ بزم ناز، اس نے کہا کہ کیا کہا؟
میں نے کہا کچھ نہیں، اس نے کہا ٹھیک ہے (۱۵)

لسانی سطح پر انور مسعود کے قطعات میں فارسی ادب کے گہرے مطالعے نے ایک جداگانہ چاشنی پیدا کی ہے۔ ان کی تراکیب نادر و تازہ ہیں۔ وہ اُردو کو فارسی تراکیب کے بوجھ تلے دبنے نہیں دیتے، بلکہ عروسِ شعر ہلکا پھلکا زیور زیب تن کرتی ہے، مثال کے طور پر زخمی شدید، لطفِ نظارہ، شیوہ تجرید، کوتاہ دستی، ضبطِ تولید، دشمنِ دیرینہ، سادگی، شیوہ اظہار، تہِ تیغ وغیرہ۔

انگریزی الفاظ کے بے دریغ لیکن فن کارانہ استعمال کے لیے انور مسعود تحسین کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ اکبرالہ آبادی (۱۸۴۶ء۔۱۹۲۱ء) کی یہ روایت انور مسعود تک پہنچتے پہنچتے خاصی ثروت مند ہو چکی ہے۔ ان الفاظ کے وسیلے سے ہم انور مسعود کی شاعری میں تہذیبی زندگی کے بدلتے ہوئے مناظر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ انھوں نے فارسی زبان میں تو پورے کے پورے قطعے کہہ رکھے ہیں، لیکن انگریزی کے الفاظ ان کی شاعری میں گھلے ملے ہیں۔ اپنے عہد کی ترجمانی کے لیے اس کے سوا

کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ انور مسعود کی شاعری میں انگریزی کے مندرجہ ذیل الفاظ شامل ہیں: لاؤڈ سپیکر، کنڈکٹر، ٹکٹ، ٹیکسی، میٹر، سوئی گیس، فون، پیٹرول، ویٹو، کلچر، پولنگ سٹیشن، ڈیلنگ کلرک، بجٹ وغیرہ۔

الفاظ کی مدد سے ہم انور مسعود کی شاعری میں عصری تہذیبی شعور کا کھوج لگا سکتے ہیں۔ یہ الفاظ اکبر سے مختلف ہیں، کہ انور کو اکبر سے مختلف تہذیب کا سامنا ہے۔ انور مسعود کے انگریزی الفاظ عہد حاضر کے مسائل و موضوعات کو سامنے لاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انور مسعود انگریزی زبان و تعلیم کی مخالفت میں اکبر کے ہم نوا ہیں۔ انور مسعود اپنے قطعات کے عنوانات میں بھی ردو بدل کے ذریعے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ وہ عنوان اور مضمون کے مابین ایک تعلق خاص قائم کر کے قطعے کو نئی معنویت سے ہم کنار کر دیتے ہیں۔

انور مسعود کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ کبھی بھی ذاتیات کو تختۂ مشق نہیں بناتے بلکہ سرسری نشاندہی کر کے گزر جاتے ہیں۔ جدید نظموں کی اقسام آزاد معریٰ اور معرا نظموں کو وہ بُرا نہیں سمجھتے، مگر انور مسعود اس کی آڑ میں کی جانے والی مہمل، غیر واضح، بغیر کسی مقصد کے اور لایعنی نظموں کو وہ شعرا کی غلطی ضرور کہتے ہیں:

کس ناز سے وہ نظم کو کہہ دیتے ہیں نثری
جب اس کے خطا ہوتے ہیں اوزان وغیرہ
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
گھوڑوں کی طرح بکتے ہیں انسان وغیرہ(۱۶)

افتخار عارف (۱۹۴۴ء) انور مسعود کی طنزیہ ومزاحیہ شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

بلاخوف وتردید کہا جانا چاہیے کہ جیسا کرارا، کسا ہوا اور ٹھکا ہوا چست مصرع اور جیسے سلیقے اور شائستگی کے ساتھ لفظوں کا ورتارا انور مسعود کے یہاں ملتا ہے۔ وہ ہمارے عہد میں مزاح منظوم کی وہ منزل کمال ہے کہ جہاں بڑے بڑوں کی سانس پھول جاتی ہے۔(۱۷)

امجد اسلام امجد (۱۹۴۴ء)، انور مسعود کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

انور مسعود ہمارے عہد کا نظیر اکبر آبادی (۱۷۳۵ء۔۱۸۳۰ء) ہے۔ کیسا بھی مشاعرہ ہو اور کیسے ہی سامعین ہوں۔ انور مسعود کے سٹیج پر آتے ہی ماحول میں جیسے جان سی پڑ جاتی ہے۔ چہروں پر مسکراہٹیں پھیل جاتی ہیں اور ہال یا پنڈال قہقہوں سے گونجنے لگتا ہے۔(۱۸)

پروفیسر انور مسعود کی ناقدانہ حیثیت مسلمہ اور شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ انور مسعود کا مقبول حوالہ بہر حال ان کی شاعری ہے اور وہ بھی مزاحیہ شاعری۔ وہ ہر مزاحیہ مشاعرے کی جان ہوتے ہیں۔ ایک ہمہ جہت مزاح نگار ہونے کی حیثیت

سے انور صاحب مزاحیہ شاعری کے صحیح مزاج دان ہیں۔

انور مسعود کی غزلوں میں شائستگی اور خوش سلیقگی جھلکتی ہے۔ انور مسعود کا مشاہدہ گہرا، ذخیرہ الفاظ وسیع اور فکر گہری بصیرت کی حامل ہے۔ انھی خوبیوں کی وجہ سے انور مسعود کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کو اللہ نے ایک پُرکشش، مقبول اور بے پناہ اثر انگیزی سے نوازا ہے۔ انور مسعود نے اپنی شاعری کے انداز و بیان سے اپنے دور کے شعرا کو بھی بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ بلا شبہ انور مسعود اس زمانے کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ اور انھوں نے اپنے منفرد انداز سے خاص سے لے کر عام آدمی تک معاشرے اور تہذیب کی خامیوں کو بڑی کامیابی سے پہنچایا ہے۔ طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کے شعبے میں اس دور کے طنزیہ اور مزاحیہ شعرا کے کلام میں انور مسعود جیسی گہرائی اور معنویت کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ مزاحیہ شاعروں کے فن کے بارے میں شخصی اور جامعاتی سطح پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، لیکن جو کام انور مسعود نے اپنے شوق کو مُرشد مان کر کیا ہے اس کا جواب ملنا محال ہے۔

جس طرح انور مسعود نے طنزیہ و مزاحیہ شاعری کو شائستگی اور شگفتہ بیانی کی بلندیوں تک پہنچایا اسی طرح مزاحیہ شاعری نے بھی اس کو عزت و شہرت سے مالا مال کیا ہے۔ اسکا توسنِ تخیل اس کے لیے تختِ سلیمان ثابت ہوا۔ انور مسعود فنِ شاعری اور شغل تدریس میں مست رہا ہے۔

انور مسعود کی ایک منفرد ڈکشن اور اپنا ایک مخصوص اسلوب ہے، جو اس کے اُردو قطعات میں خاص طور پر نمایاں ہے۔ وہ اپنے تخیل کی قدرت اور مشاہدے کی وسعت اور اپنی مخصوص لفظیات سے معانی و مطالب کے خوب صورت مجسمے تراشتا ہے۔ قدرت کی طرف سے انور مسعود کو شاداب ذہن، زبان پر بے پناہ دسترس اور بلا کا حافظہ ودیعت ہوا ہے۔ اسے اپنا سارا اُردو، فارسی اور پنجابی کلام ازبر ہے۔

انور مسعود کی آنکھیں ایک شکاری کی طرح فضا میں دور اُفق تک کچھ نہ کچھ تلاش کرتی رہتی ہیں۔ اس کا دامِ سخن ہر دم کسی اچھوتے خیال کے پنچھی کی تاک میں لگا رہتا ہے۔ وہ پیادہ ہو یا ہوائی جہاز میں، آس پاس سے بے نیاز مشقِ سخن میں مگن رہتا ہے۔ جدید اُردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا ذکر اور تاریخ ان کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔

حواشی

(۱) ڈاکٹر رؤف امیر، ماہِ منور: انور مسعود شخصیت و فن، (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)،ص ۶۸

(۲) ڈاکٹر شبنم نیاز، اُردو شاعری میں طنز و مزاح، (لاہور: دستاویز مطبوعات، ۲۰۲۰ء)،ص ۵۳۹

(۳) ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اُردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ، (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)،ص ۲۸۱-۸۲

(۴) انور مسعود، درپیش، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)،ص ۱۰۷

(۵) ایضاً، قطعہ کلامی، (ایضاً، ۱۹۹۹ء)،ص ۹

(۶) ایضاً، درپیش، محولہ بالا ص ۵۷

(۷) ایضاً، قطعہ کلامی، محولہ بالا، ص ۱۱
(۸) ایضاً، ص ۲۴
(۹) ڈاکٹر رؤف امیر، ماہِ منور: انور مسعود شخصیت و فن، محولہ بالا، ص ۱۳۰
(۱۰) ایضاً، ص ۱۳۱
(۱۱) ایضاً، ص ۱۳۲
(۱۲) انور مسعود، قطعہ کلامی، محولہ بالا، ص ۸۸
(۱۳) ڈاکٹر شبنم نیاز، اُردو شاعری میں طنز و مزاح، محولہ بالا، ص ۵۴۱
(۱۴) انور مسعود، قطعہ کلامی، محولہ بالا، ص ۳۷
(۱۵) ڈاکٹر رؤف امیر، ماہِ منور: انور مسعود شخصیت و فن، محولہ بالا، ص ۱۳۵
(۱۶) ڈاکٹر شبنم نیاز، اُردو شاعری میں طنز و مزاح، محولہ بالا، ص ۵۴۱
(۱۷) افتخار عارف، دبئی مجلّہ، مشاعرہ زندہ دلاں بااعزاز انور مسعود، ۱۹۹۴ء، ص ۴۷
(۱۸) ایضاً، ص ۴۹

مآخذ

(۱) امیر، رؤف، ڈاکٹر، ماہِ منور: انور مسعود شخصیت و فن، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء
(۲) فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر، اُردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء
(۳) مسعود، انور، درپیش، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء
(۴) ــــــ، قطعہ کلامی، ــــــ، ۱۹۹۹ء
(۵) نیاز، شبنم، ڈاکٹر، اُردو شاعری میں طنز و مزاح، لاہور: دستاویز مطبوعات، ۲۰۲۰ء

رسائل

(۱) دبئی مجلّہ، مشاعرہ زندہ دلاں بااعزاز انور مسعود، ۱۹۹۴ء

شہناز گل

لیکچرار، شعبۂ اردو

رعنا لیاقت علی ہوم اکنامکس کالج، کراچی

اردو لغت بورڈ کی ''اردو لغت (تاریخی اصول پر)'' پر محقق و مدوّن رشید حسن خان کے اعتراضات

ABSTRACT

Objection raised by critic and researcher Rasheed Hasan Khan regarding" Urdu Lughat(on historical principle).Urdu Lughat Board". By Shehnaz Gul, Lecturer, Department of Urdu, Rana Liaquat Ali Home Economics College, Karachi.

Urdu Lughat (on historical principle is a lughat of Urdu Lughat Board that has been compiled in the light of historical principles is relied and liked owing to its comprehensiveness, research and diversity. Hence while compiling its lughat (on historical princples), this is prime obligation of Urdu Lughat Board to incorporate and follow such principles that have been devised by itself. Out of such principles, the leading one is to follow the historical principles themselves i.e. reference and its periodic reference but many of the words do not have old references for them. Dozens of such words have been used in Urdu lughat (on historical principles) which are not used but merely copied from previous dictionaries. Rasheed Hasan Khan was a versatile linguist, researcher, critic and having multidimensional vision and knowledge about dictionaries. His special interest in lexicography represents his command of language. This article aims at discussing objections from Rasheed Hasan Khan on urdu lughat (on historical principle) by urdu dictionary board.

الفاظ کی اہمّیت سے کسی بھی ذی عقل و ذی شعور کو انکار نہیں ہے۔ تحریر و تقریر میں بہترین الفاظ کا انتخاب اور اس کا مناسب استعمال تخلیق کار اور مقرّر کو اعتبار بخشتا ہے۔ الفاظ بنی نوع انسان کے محض ترجمان ہی نہیں بلکہ عکاس بھی ہوتے ہیں۔ [1]

الفاظ انسانی زندگی میں سکّہ رواں کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے بغیر زندگی کے معاملات نہیں چل سکتے اور لغت ہی وہ خزانہ ہے جہاں ان کی یادداشت محفوظ رہتی ہے عام سکوّں کے برخلاف ان میں سے ہر سکّہ علیحدہ قدر و قیمت رکھتا ہے۔ یہ سکّے تاریخ کے مختلف ادوار میں ڈھلے ہیں اور ہر سکّے یعنی لفظ کی اپنی ایک الگ سرگزشت ہے اکثر صورتوں میں ان کی ہیئت بھی